chapter-1

باب اول

بیسویں صدی کی سماجی اور تہذیبی اقدار اور ادبی صورت

آزادی کے بعد جس زمانے میں مسلمانوں کے مجموعی حالات ناگفتہ تھے اور زندگی کے ہر شعبہ میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی، سرسید اور اِن کے افقاء کار نے اِس ڈُبتی ہوئی کشتی کا سنبھالا۔ اِن لوگوں کی گہری نظر سیاست، تعلیم، مذہب، ماشرتی اصلح زبان وادب کی ترقی سب پر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر قوم کو زندہ رکھنا ہے تو وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینا لازمی ہے۔ اور اس قوم کو مغرب کی تہذیب و اور بات میں ایسے عناصر جو قوم کے مسائل کو حل کرنے میں معادن ہوں ان کو قبول کر لینا چاہیئے۔ سرسید کی یہی تحریق تھی۔ اس کی بنیاد فراخ دلی اور عقلیت پسندی پر تھی۔ اس تحریک کی ترویج کے لئے انہوں نے تہذب الاخلاق رسالہ جاری کیا، سائنٹفک سوسائٹی قائم کی اور علی گڑھ کالیج کی بنیاد ڈالی، جو آج مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔ سرسید نے اپنی تحریروں کے ذریعہ روایت پرستی کے خلاف مقصدی اور مفید ادب کی تخلیق کی، جس نے اردو زبان وادب، شاعری وتنقید کا رُخ ہی بدل دیا۔ ان کے ساتھیوں میں محمد حسین آزاد، نذیر احمد، الطاف حسین حالؔی اور مولانا شبلی قابل ذکر ہیں۔ یہ زمانہ ۱۹۱۴ء کا ہے۔ سرسید تحریک نے اردو شعراور مصنفین کو نیا ادبی نقطہ نظر دیا۔ موضوعات کو وسعت دی اور بیان کی سلاست اور سادگی پر زور دیا۔ مندرجہ بالا افقا سرسید کے علاوہ وقارالملک، ذکاااللہ، محسن الملک، سید علی بلگراتی نے گھسے پٹے موضوعات کو ترک کر کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور تاریخی اہمیت کے موضوعات کی طرف توجہ دی۔

برصغیر کی اصلاحی اور تعمیری تحریکات میں اخبار اور رسالوں نے بڑا حصّہ لیا۔ ان میں مولوی محمد باقر کے اردو اخبار کے علاوہ "محبّ وطن" "صادق الاخبار" اور

" کوہ نور" وغیرہ اخبار و رسالے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کا ذکر بھی ضروری ہے، کیونکہ اس اخبار نے پہلی مرتبہ۔ لفظ قوم کے بارے میں یہ لکھا کہ ایک خاص ملک میں رہنے والوں کو ایک قوم شمار کیا جائے۔

اس زمانے میں انگریزوں نے اپنے سیاسی اغراض و مصالح کی بنا پر ایک نئے نظامِ تعلیم کو رائج کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے جدید مغربی علوم اور زبان و ادب کے مطالعہ کی راہ پیدا ہوئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ سیاسی بیداری بھی پیدا ہوئی۔ آہستہ آہستہ اس تحریک نے اہل وطن کے دل و دماغ کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اسی زمانے میں عدم تعاون سودیشی تحریک اور پھر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ ان سب میں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک تھے۔ اسے تحریک کے نتیجے میں حکومت اور سیاسی کارکنوں میں ٹکراو پیدا ہوا، اور جلیاں والا باغ کا وہ خونی حادثہ پیش آیا، جو انگریزوں کے دامن پر ایسا بدنما داغ بن گیا جو تا قیامت نہ چھوٹے گا۔ اس تحریک کے قائدین، اخبار نویس، شعراء اور نثر نگار سب تھے۔ ان میں مدیر بلال مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان، (مدیر انقلاب) مولانا محمد علی (مدی ہمدرد) کے علاوہ مولانا حسرت موہانی، مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو تھے۔ اس تحریک نے جو شعراء پیدا کئے ان میں چکبست، جگت موہن لال رواں، جوش ملح آبادی اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ تھے۔

اس جدوجہد کا انجام بہت ہی علمناک صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک ہندوستان اور پاکستان خود مختار حکومتوں میں منقسم ہوگیا۔ تقسیم ملک کے بعد جو

خونریزی اور ہجرت کے درمیان جو قتل و غارتگیری رونما ہوئی اس کا شدید اثر اردو ادب وشاعری پر پڑا، اس زمانے کے افسانے اور ناول ملک کی خونی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں، ایک دوسرا دور اردو میں انقلابی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور مارکسی ادب وتنقید کے رجحانات ایک مستقل تحریک کی صورت میں سامنے آئے، اس میں سجاد ظہیر، عصمت چغتائی، مجاز، فیض اور کرشن چندر وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سماجی بیداری کے حالات کو بہتر بنایا۔ عورت گھر کی چاردرواری سے باہر نکل کر مرد کے دوش بدوش کارزارِ حیات میں شریک ہوئی۔ مزدوروں اور کسانوں کی حالت بھی پہلے سے بہتر ہوئی۔ لیکن سرمایہ داروں کی گرفت ابھی ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ سماج میں رشوت، ذخیرہ اندوزی اور گرانی کو ابھی مکمل طریقہ پر نہیں ختم نہیں کیا جاسکا۔ ان حالات کا اثر بھی اردو ادب پر پڑا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا علمیہ اردو ادب کا یہ ہے کہ ہے حکومت نے بھی اس کا ساتھ انصاف نہیں کیا، اور اردو کو اس کا جائز حق نہیں دیا گیا۔ اگر کہیں اردو کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا بھی جاتا ہے تو فرقہ پرست قومیں فوراً اس کے خلاف صف آرا ہو جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اردو ایک مقبول خاص وعام زبان ہے۔

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۸ء تک کا دور اصلاح پسندی حب الوطنی اور قومیت پرستی کے دور کے نام سے عبارت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ زمانہ سماجی اور سیاسی اعتبار سے عام اصلع پسندی، حب ابوطنی، ہندوستانیوں میں اپنی قومیت اور اپنے سیاسی حقوق کے احساس پیدا ہونے کا زمانہ ہے،

قدیم ہندوستان کے عظیم علمی و ادبی کارناموں کی بازیافت اور ان کی تشہیر اور پھر بیسوں صدی کی ابتداء میں روس پر جاپان کی فتح نے انگریزوں کے مقابلے میں ہندوستانیوں کے ایشیائی جذبے کو اُبھارنے اور ان کا احساس کمتری کو دور کرنے میں مدد دی، بعد میں روس کے اشتراکی انقلاب سے ہندوستانیوں کے جذبۂ خود مختازی کو تقویت پہونچی، اقتصادی اعتبار سے ہندوستان کی پرانی صنعتیں ختم ہونے لگیں۔ اس کی وجہ سے انگلستان میں صنعتی انقلاب کے بڑھتے ہوئے اثرات اور انگریزی مصنوعات کی درآمد تھی۔ ہندوستان میں صنعتی ترقی کی ابتدا اور دیگر سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے ایک نیا طبقہ جنم لے رہا تھا۔ جس کی آرزوئیں اور اِرادے بلکہ خود اس کی بقا کا دار و مدار ملک کے نظم و نسق کے مزید استحکام پر تھا۔

"ادب زندگی کی تخلیقی ترجمانی اور تہذیبی زندگی کا نمایاں شعبہ ہے۔ چنانچہ اردو ادب میں بھی ان تبدیلیوں کا اثر ظاہر ہوا۔ اُنیسویں صدی کے نصف اول تک اردو میں قابل فخر شعری سرمایہ جمع ہو چکا تھا۔ جدید اردو نثر کی بنیادیں بھی رکھی جا چکی تھیں۔ شعر و ادب کو فروغ ملا تھا۔ اس کے موضوعات زیاتر مذہب، تصوف، اخلاق و عشق تھے۔ اور اس میں بازار، خانقاہ اور دربار تینوں کی دھوپ چھاؤں نظر آتی تھی" [۱]

اردو کے دو اہم مراکز لکھنو اور دہلی جو تاراج و خراب ہو چکے تھے جلد ہی سنبھلنے لگے، دیسی ریاستوں نے اردو ادب کے فروغ میں حصّہ لیا۔ اور اس میں اور زیادہ

سدھراؤ، نکھار، توانائی اور ادبی موضوعات میں تنوع اور وسعت پیدا ہوئی۔ اہم بات یہ ہے کہ اب اردو تہذیبی زبان بن گئی تھی۔

اس دور کے ادب کو انقلاب اور کسی حد تک اس کا ردّ عمل (اکبؔر) معروضیت پسندی، حقیقت نگاری (ادبی مقصدیت) کی ابتداء اور اس کے اثرات مرتب ہونے کا دِور کہنا چاہیئے۔ اس دور کے ادبیوں شاعروں (سرسید، حالؔی، آزاد، نذیر احمد، شبلی، اسمعیل، اکبؔر، اقبالؔ، چکبست، اور پریم چند وغیرہ) نے اردو ادب کے خزانے کو نئے اسالیت اور نئے اصناف ادب کے اضافے سے مالا مال کر دیا۔ ان تمام نے محنت، خلوص اور نیک نیتی سے کام لیکے حقیقت نگاری (ادبی مقصدیت) اور فنکارانہ ترقی پسندی کو اپنا شعار بنایا، اور بعد کے آنے والوں کے لئے روشن خیالی کے دروازے کھول دئے۔ ملک میں نظم ونسق کے استحکام، طباعت، ذرائع آمدورفت اور رسل ورسائل کی مزید آسانیوں سے مغرب سے متاثر ادب کی عام اشاعت ہونے لگی۔

”۱۹۱۸ء کے اختتام تک اردو شعر وادب فارغ البال طبقہ کی طبقہ ذہنی تفریح کا نام نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ کسی حد تک پرانے جاگردارانہ نظام میں تھا۔ جبکہ شعراء کی معاش کا دارومدار زیادہ تر رئیسوں کی خوشنودی پر تھا۔ اب اردو ادب متوسط طبقہ کی محروی وسرشاری، دُکھ درد، رنج وراحت اور نغمہ ونالہ کی داستان بن گیا تھا“[۲]

ادب وشعر کو زندگی سے قریب لانے کی یہ اردو ادب کی پہلی شعوری کوشش تھی۔ اور

نہایت کامیاب تھی۔ سرسید، آزاد، حالؔی، نذیر احمد، شبلؔی اور اکبر کو جدید اردو شعر و ادب میں اسی اعتبار سے نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان کو اپنے ماضی سے لگاؤ تھا۔ وہ پرانے ادب کے رمز شناس تھے۔ اور اس کا احترام کرتے تھے۔ لیکن قدامت کے مقابلے میں نئے سماجی حقائق سے آگاہی پر زور دیتے تھے۔ وہ عقلیت پسند تھے مگر مذہب ان کی اعلیٰ ترین قدر تھی جسے چھوڑنے پر وہ کسی طرح تیار نہ تھے۔ یہاں فرداً فرداً ان ادیبوں اور شاعروں کی تخلیق کا جائزہ لینا مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ان مصنفین کے کارناموں میں اسلام کی گذشتہ شان و شوکت سے سرشاری کا جذبہ اور اُن کا خلوص نمایاں ہے۔

''۱۹۱۸ء کے قابل ذکر شعراہ کی فہرست میں ایک اور اہم نام ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ہے۔ ان کے کلام میں حب الوطنی اور قومیت پرستی کی سرشاری صاف نمایاں تھی۔ مگر اس قومیت پرستی میں اسلامی تاریخ سے اثر پزیدی بھی صاف جھلکنے لگی تھی۔ عالمی اسلامی حالات و تہذیبی ارتقاء کے پیش نظر قومی شاعری کی ایک ذیلی شاخ یعنی مسلمانوں کی ملی شاعری وجود میں آئی۔ حالؔی باوجود وطنیت سے سرشاری کے ملّت کے حال سے متاثر ہو کر 'مسدس مد و جزر اسلام' لکھ چکے تھے۔ اکبر کی ظریفانہ شاعری کا محرک مذہبی جذبہ بھی تھا۔ شبلؔی بھی ملّی نظمیں لکھ رہے تھے۔ اقبال نے ملّی شاعری کو عروج تک پہنچایا۔ انہوں نے مادیت کے مقابلے میں روحانیت پر زور دیا، اور ایک فلسفۂ تغیر حیات پیش کیا۔ جس میں تغیر و حرکت، سعی و عمل کو رگ جاں کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے یہاں حیات انسانی کا مقصد خود کو غیر خود میں فنا

کرنا نہیں بلکہ اثباتِ خودی ہے۔ وہ خدا کا تصور بہ حیثیت ذاتِ مطلق کے کرتے ہیں۔ جو خودی کی کامل مثال ہے''۳؎

اردو ادب میں اصلاح پسندی یا ادبی مقصودیت کے دور کے ساتھ ساتھ ایک رجحان اور نشونما پایا وہ ہے رومانیت کا رجحان۔ ایسی رومانیت جس پر عقلیت کی چھاپ بھی ہو، جس میں جذبات کی فراوانی تو ہو مگر سماجی فکر سے بے نیاز بھی نہ ہو۔ یہ رجحان بیسویں صدی کی دوسری دہائی کی پیداوار ہے، جب ہمارے شاعر اور ادیبوں کی نظر میں ہندوستانی تہذیب اور اسلام کی گذشتہ شان و شوکت بھی تھی اور ساتھ ہی سماجی اصلاحات اور سیاسی حالات سے متاثر ہو کر سیاسی آزادی کی لگن اور جوش اور کچھ کر گزرنے کا عزم و ارادہ بھی بقول احتشام حسین:

> ''بیسویں کے آتے آتے آزادی کی خواہش اور مغربی اثرات نے عمل کو دُنیا سے دُور ایک انتہا پسندانہ رومانوی اور تخلیقی اندازِ نظر بھی پیدا کر دیا جو کسی کے یہاں تخلیقی رنگین بیانی اور والہانہ گمشدگی کے رنگ میں رونما تھی۔ جو زنجیریں واقعی زندگی میں نہیں ٹوٹ سکتی تھیں، وہ خیالوں میں ٹوٹنے لگی، اور تصوّر کی مینا کاریوں سے محدود زندگی ہی میں نئے چمن کھلنے لگے''۴؎

جہاں تک ہندوستان میں سیاسی سماجی اور قومی بیداری کا تعلق ہے اس کا آغاز اُنیسویں صدی کے شروع میں ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں عوامی ذہنی بیداری کے

لیے رمذہبی تحریکات پیش رفت کر چکی تھیں۔ ان مذہبی تحریکات نے عوام کی ذہنی وفکری سطح کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ آزادی کا مفہوم سمجھنے لگے تھے۔ اور اس کی اہمیت سے واقف ہو چکے تھے۔

یہ جذبہ ہندوستان میں انگریزوں کی سازشوں کے خلاف ایک ذہنی ردِعمل کے طور پر اُبھرا تھا۔ کیونکہ سارے ملک میں عیسائی مشنریاں مذہب کی ترویج و اشاعت کے لئے سرگرم عمل تھیں۔ ملک کے گوشے گوشے میں ان کی مراکز قائم ہو چکے تھے۔ تبدیلی مذہب کو اپنا نصب العین بنا کر ملک کے کونے کونے میں عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی اور کوشاں تھے۔ عیش ونشاط کی سہولتیں، سماج میں باعزت مقام ومرتبہ کی لالچ کے سہارے انہیں اپنے مقصد میں بڑی کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ بقول احتشام حسین:

> ”فوجوں میں عہدوں کی ترقی کا انحصار بہت کچھ مذہب کی تبدیلی پر رہ گیا تھا۔ اور یہ تحریک ایسی نہ تھی جس کا شکار بہت سے لوگ نہ ہو جاتے ہوں۔ مشن کے پادریوں کو عام اجازت تھی کے وہ وقتاً فوقتاً فوجی چھاونیوں میں جا کر دینِ مسیح کی خوبیاں کی خوبیاں بیان کریں اور تبدیلئ مذہب پر اپنی اور دینوی فلاح کی بشارت دیں“[۵]

۱۸۵۷ء کی جنگ ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر لڑی تھی جس کی بنا پر انگریزوں کا یقین کامل ہو گیا تھا کہ اگر ہندوستان میں حکومت قائم کرنا ہے تو ہندو اور

مسلمان دونوں کے بیچ منافرت پیدا کر دینا لازمی ہوگا۔ اس نظریے کے تحت ۱۹۰۵ ءمیں بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جس کا ردِعمل یہ ہوا کہ ۱۹۰۶ء کے کانگریس کے اجلاس میں دادا بھائی نوروجی نے پہلی بار سوراج حاصل کرنے کے تصور کو واضع کیا۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدا میں مسلم لیگ میں اعلیٰ طبقے کے مسلمان اور زمیندار شامل ہوئے۔ لیکن جلد ہی یہ بھی کانگریس کی طرح انگریزوں کے خلاف قومی تحریک میں حصہ لینے لگی۔ اور ۱۹۱۳ء مسلم لیگ نے بھی سوراج حاصل کرنا اپنا مقصد بنا لیا۔ ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان لکھنو معاہدہ ہوا۔ جس میں جداگانہ انتخاب کو تسلیم کر لیا گیا۔ اور یہ اعلان کیا گیا کہ دونوں پارٹیوں کا مقصد ہندوستان کو اعلیٰ درجہ دلانا ہے۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۴ء تک دونوں پارٹیوں میں خوشگوار تعلقات قائم رہے، لیکن ۱۹۲۷ء میں لکھنو معاہدہ مسترد کر دیا گیا۔ اور دونوں پارٹیوں میں اختلاف شروع ہو گیا۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۸ء تک ملک پر سیاسی انجماد طاری رہا لیکن فرقہ پرستی کو فروغ ملا۔ ہندو مہاسبھا اور مسلم لیگ میدان میں اُتر آئیں، سوراج پارٹی بھی فرقی پرستی کا شکار ہوگئی۔ گاندھی جی نے ان فسادات کے خلاف مولانا محمد علی کے مکان پر ۲۱ دِن کا ورت رکھا، لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔

۱۹۱۷ء میں روس میں زبردست انقلاب آچکا تھا۔ اور مزدورں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس کے اثرات پوری دنیا نے قبول کئے، ہندوستانی سیاست پر بھی اس کا گہرا اثرات مرتسم ہوئے اور کمیونسٹ پارٹی وجود میں آئی۔ گانگریس کے اندر بھی جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس اشتراکیت سے متاثر ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں

جواہرلال نہر کانگریس کے صدر اور سبھاش چندر بوس سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اس اجلاس میں گاندھی جی شریک نہیں ہوئے۔ اس لئے کانگریس نے مکمل آزادی حاصل کرنا اپنا نصب العین قرار دیا۔ گاندھی جی نے اس کی مذمت کی۔ اس اجلاس سے سوراج کا مفہوم مکمل آزادی میں تبدیل ہوگیا۔ اور ہندوستانی سیاست میں مساوات اور سوشلزم کی گونج سنائی دینے لگی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو پہلا یومِ آزادی منایا گیا۔

کانگریس کے کراچی اجلاس میں کانگریس نے جمہوری طریقے سے اپنی راہ عمل طے کرنے کا اعلان کیا، جس میں سوشلٹ رجحانات کا عکس تھا۔ کمیونسٹ پارٹی سارے ملک میں روز بروز مقبولیت حاصل کرتی جا رہی تھی ۱۹۳۴ء میں کانگریس سوشلٹ پارٹی قائم ہوگئی۔ جس کی بنیاد جے پرکاش نرائن اور آچاریہ نریندر دیو نے رکھی۔

اس وقت جو ترقی پسند خیالات سامنے آرہے تھے ان کی بنیاد ایک اہم اور نتیجہ خیز تاریخی واقعہ ۱۹۱۷ء کا روسی اِنقلاب تھا۔ یہ انقلاب دراصل مارکسی جدلیاتی مادیت کے نظریے کا ایک عملی مظہر اور اشتراکیت کی تفسر تھا۔ جس نے جدید ذہن اور شعروادب کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان بھی اشتراکی نظریات سے پوری طرح متاثر ہوا۔ یہاں سیاسی حالات نے اشتراکی تحریک کے لئے میدان ہموار کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں کانپور میں پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرس ہوئی اور ہندوستان کی سرزمین پر اشتراکی نظریہ کی اشاعت کے لئے اجتماعی کوششیں شروع ہوئیں۔ اور شعرو ادب میں اشتراکی خیالات واضح طور پر اُن تمام قلمکاروں کی تحریر کے نقوش جو ۱۹۳۵ء میں

انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کے بعد اس کی ادبی تحریک سے وابستہ ہوئے تھے ، ابھرنا شروع ہوئے۔

اس طرح ۱۹۳۵ء تک ہندوستان کی رگوں میں گاندھی ازم، کمیونزم، اور سوشلزم خون بن کر دوڑنے لگا۔ اور ہندوستان کی کوئی تحریک ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

۱۹۳۵ء تک اردو ادب جن وسعتوں سے ہم کنار ہوا اور جن انقلابی تبدیلوں سے گزرا وہ یقیناً حیرت انگیز تھیں۔ اردو ادب کی پوری تاریخ میں پہلے نہ تو کبھی ایسی تبدیلیاں ہوئی تھیں اور نہ ہی اتنی برق رفتاری کے ساتھ اس نے ترقی کی منزلیں ہی طے کی تھیں۔

حواشی:

---

(۱) آل احمد سرور، فکر و نظر ص ۸۱، بحوالہ آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب ۲۳۔

(۲) ایضاً ص ۸۲، بحوالہ محمد ذاکر آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب ایجوکیشن پبلیشنگ دہلی ۲۵۔

(۳) Lumby متذکرہ ص ۱۱۹ تا ۱۲۲ و Mosley متذکرہ ص ۱۱، ۳۴ تا ۴۰ اور ۲۰۳ بحوالہ ایضاً ۱۲۶

(۴) احتشام حسین، علی گڑھ میگزین۔ علی گڑھ نمبر ۴۰، ۱۹۰۳ء ، ۱۹۰۴ء ص ۱۱۲ بحوالہ ایضاً ۲۷۔

(۵) ڈاکٹر وسیم انور تاریخی سیاسی وسماجی پس منظر کیفی اعظمی: شخصیت شاعری اور عہد ص ۱۷۹۔